صلح اور جنگ

حسنی سیاست کی روشنی میں

جناب سید احتشام حسین رضوی ماہلیمر حوم (سابق صدر شعبۂ اردو، آلہ آباد یونیورسٹی)

''ہر اقدام جو اپنے وقت پر ہو وہ مفید، نتیجہ خیز اور موثر ہوتا ہے لیکن اگر وقت سے پہلے کیا جائے تو وہ نتیجتاً مفید ہونے کے بجائے مضر ثابت ہوتا ہے بلکہ اپنے کرنے والے کو اکثر ہمیشہ کے لئے موردالزام بنا دیتا ہے۔''

(سید العلماء ''حسین اور اسلام'' میں)

''صلح کی کامیابیاں جنگ کی فتوحات سے کم نہیں''

(انگریزی قول)

حقیقت یہ ہے کہ صلح اور جنگ میں بہت تھوڑا سا فرق ہوتا ہے۔ دونوں میں مقصد کسی الجھے ہوئے مسئلہ کا سلجھانا ہوتا ہے۔ بیشک طریقہ موقع کے لحاظ سے بدل جاتا ہے کبھی کبھی جنگ سے زیادہ صلح ضروری ہوتی ہے یہ اور بات ہے کہ ''میں نہ سمجھوں تو بھلا کیا کوئی سمجھائے مجھے'' پر عامل ہوکر صرف ہٹ دھرمی کی بنا پر جنگ جاری رکھی جائے۔ ارباب علم جنھیں تاریخ سے دلچسپی ہے بہت سے ایسے واقعات سے باخبر ہوں گے جہاں جنگ سے زیادہ کام صلح سے بن گئے ہیں اور بعض مواقع پر صرف بات کی پچ اور اصول جنگ سے ناواقفیت کی وجہ سے مایوس کن نتیجے دیکھنے پڑے ہیں۔ صلح اگر سمجھ بوجھ کر کی جائے تو لڑائی سے زیادہ فیصلہ کن ہے کیونکہ ہر بات اپنے وقت پر درست ہوتی ہے۔ صلح بھی اپنے محل پر بہت سی لڑائیوں اور ہنگامہ آرائیوں کا نچوڑ ہے۔ ایک اچھا اور نازک نگاہ مدبر دونوں موقعوں کو اچھی طرح سمجھتا ہے اور صلح کے موقع پر کبھی جنگ کی طرف رُخ نہیں کرتا اور اپنی صلح ہی میں اپنے نصب العین کے حصول کی کوشش کرتا ہے۔

صلح اور جنگ دونوں ایک ہی مقصد کی جانب گامزن ہونے کے باوجود اپنے لئے دو طرح کے اسلحہ پسند کرتی ہیں اور ایک کے ہتھیار دوسری جگہ لکڑی کی تلوار سے زیادہ کارآمد اور بااثر نہیں ثابت ہوسکتے۔ ایک بادشاہ یا سپہ سالار جب کسی فیصلہ کن لڑائی کا ارادہ کرتا ہے، تو اپنے گرد و پیش نظر ڈال کر اپنے ذہن میں اپنے معاونین اور مددگاروں کی ایک فہرست مرتب کرتا ہے، وہ ہر شخص پر بھروسا نہیں کرلیتا، وہ دیکھتا ہے کہ اس کی فوج کہاں تک اس سے تعاون پر آمادہ ہے، وہ غور کرتا ہے کہ اس جنگ کا اثر اس کی رعایا پر کیا پڑے گا، وہ سوچتا ہے کہ سامان جنگ کا بہتر سے بہتر انتظام کیونکر ہوسکتا ہے۔ اگر باخدا اور رعیت پرور بادشاہ ہے تو یہ بھی دیکھتا ہے کہ جو دولت اس مہم میں صرف ہوگی اور جو

خون اس آویزش میں بہایا جائے گا وہ بادشاہت کی بقا کے لئے کہاں تک مناسب ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد آیئے ہم اور آپ امام حسن مجتبیٰ کے اس طرز عمل کا جائزہ لیں جو ۴۱ھ میں انھوں نے امیر معاویہ کے ساتھ برتا۔ عالم اسلام کی حکومت اور امامت، ظاہری بادشاہت اور رسولؐ کی وصایت حسنؑ کو حضرت علیؑ کے شہید ہوتے ہی ملی۔ عید رمضان اس طرح ہوئی کہ رسولؐ اسلام کا بڑا نواسا دنیائے اسلام کا سردار بن چکا تھا۔ ان دو عہدوں میں پہلا تو خود مسلمانوں کی جانب سے بیعت کے ذریعہ سے ملا تھا اور دوسرا منصب ایک خدائی دین تھی جس میں کسی انسان کا ہاتھ شریک نہ تھا۔ پہلے کے متعلق امام حسنؑ کو دنیا کے اور بہت سے طلبگاران جاہ وحشمت سے مقابلہ کرنا تھا، لیکن دوسرا ان کے اور صرف ان کے لئے تھا۔ (اس کا تذکرہ بھی آگے آئے گا۔) ابھی ابھی امیرالمومنینؑ کی زندگی کا چراغ گل ہوا تھا، ابھی ابھی معاویہ ان سے برسرپیکار تھے، ابھی ابھی حضرت علیؑ نے ایک فوج اس لئے جمع کی تھی کہ وہ امیر معاویہ کی خفیہ ریشہ دوانیوں کا راز فاش کردیں، اور ایک باقاعدہ جنگ کے بعد معاویہ کو اپنے حقوق منوانے پر مجبور کردیں۔ امام حسنؑ کے سامنے یہ سب کچھ موجود تھا۔ تیس سال تک انھوں نے تمام حالات کا بغور مطالعہ کیا تھا، وہ بنی امیہ کی تمام خصوصیتوں سے اچھی طرح واقف تھے، ان کے اسلام لانے کے اغراض امام کے پیش نظر تھے، امیر معاویہ کی چالوں سے پوری طرح باخبر تھے پھر اس کے بعد غلطی کس طرح کرسکتے تھے؟ انھوں نے ہر طرف دیکھا تو اعوان وانصار کی قلت نظر آئی۔ حضرت عثمان کے زمانہ سے یا غالباً اس کے قبل ہی سے افواج اسلام کسی مجاہدانہ نیت سے لڑائیوں میں شریک نہ ہوتی تھیں بلکہ ان کا زاویۂ نظر بدل کر لوٹ مار اور دولت کی جانب مائل ہوگیا تھا۔ جو سونے چاندی کے سکوں کی چمک دکھا سکے وہی خلیفہ تھا اور وہی بادشاہ۔ امام حسنؑ کے پاس کیا تھا؟ وہ بیت المال کا روپیہ اس طرح برباد نہ کرسکتے تھے، وہ فوجوں کو باقاعدہ لوٹ مار کی اجازت نہ دے سکتے تھے۔ پھر ان سے کس لئے وابستگی کی جاتی؟ اسلام نے ابھی بہت کم دلوں میں پوری طرح جگہ کی تھی، حسنؑ مجتبیٰ کے پاس فوج اور دولت دونوں کی کمی تھی۔ فوج بظاہر موجود تھی لیکن پہلے ہی روز ان کی پامردی ثابت ہوگئی جب خون سے کھیلنے کے بجائے وہ روپیوں سے کھیلے، جب تلواروں کی جھنکار کے بدلے سکوں کی آواز نے انھیں اپنی طرف کھینچ لیا۔ امام حسنؑ بار بار اپنی فوج کو مخاطب کرکے ان کی کمزوریاں بتلاتے تھے، ان کے منھ پر ان کی بزدلی کی داستانیں دہراتے تھے، ان کی بے وفائی کا تذکرہ کرکے ان کی عرب حمیت کو جوش میں لاتے تھے، لیکن دولت کا قبضہ دلوں پر تھا۔ ان میں حرکت نہ ہوتی تھی۔ کیا ضرورت تھی امام کو کہ اس طرح بار بار ان کو متنبہ کریں؟ اول تو اس لئے کہ حجت تمام ہوجائے اور دوسرے یہ کہ تاریخ کے اوراق گواہ رہیں کہ حسنؑ نے جنگ سے منھ نہیں موڑا۔ شیر یزداں کا بہادر فرزند ہر ممکن کوشش کررہا تھا لیکن جب یہ ظاہر ہوگیا کہ جنگ پر جانا خودکشی سے کسی طرح کم نہیں تو حسنؑ نے دوسری راہ اختیار کی۔ اب یہاں جنگ کا سوال ہی نہ تھا معاویہ کی قوت اپنے شباب پر تھی، اس کے مقابلے

کے لئے ایک زبردست منظم فوج کی ضرورت تھی۔
اب صرف صلح کو مفید اور کارگر بنانے کی ضرورت تھی اور اسی میں امام کی سیاسی قابلیت کا اندازہ ہر شخص کو ہوسکتا ہے امام حسنؑ کو سب کچھ معلوم تھا لیکن واقعات کو اس طرح ترتیب دے رہے تھے کہ صلح ایک وقیع صورت اختیار کرلے۔ کوفہ سے کوچ کر کے بغداد کے قریب مدائن میں قیام فرمایا، مدائن اپنے محل وقوع کے لحاظ سے ایک خاص اہمیت رکھتا ہے، ایران، عراق اور حجاز سب کچھ قریب ہی تھے۔ امام نے اس جگہ کا انتخاب اس لئے کیا کہ ساری اسلامی دنیا کے بیچ میں کھڑے ہوکر اپنی پوزیشن صاف کردیں۔ اس سے بہتر جگہ اور کوئی نہیں ہوسکتی تھی کیونکہ اگر لوگ امام کا ساتھ دینے پر آمادگی ظاہر کرتے تو ان کے لئے آسانیاں تھیں، وہ ان کی معمولی پکار پر مجتمع ہوسکتے تھے۔ زبانِ امامت نے اپنے متعدد خطبوں میں صلح کے اسباب پر پوری طرح روشنی دالی تاکہ بعد میں کسی کو کچھ کہنے کی گنجائش نہ رہ جائے۔ یہ سب کرنے کے بعد صلح کے لئے تیار ہوگئے۔
جیسا کہ عرض کرچکا ہوں کہ امام حسنؑ دوعہدوں پر فائز تھے۔ اس وقت صلح میں خلافت یا امامت کا سوال معرض بحث میں نہ تھا۔ صرف ایک سلطنت کے انتظام کے دے دینے پر یہ ہنگامہ تھا۔ ہدایت خلق کا بار اب بھی ان ہی پر تھا او رلوگ اسی در کی جانب صلح کے بعد بھی رجوع ہوتے تھے۔ بادشاہت دنیا کی ظاہری حکومت ہے۔ حسنؑ کے لئے اس کا جدا کردینا بڑی بات نہ تھی، ہاں اسلام ان کے سینہ سے لگا ہوا تھا، امامت کا تاج ان کے سر پر تھا، قرآن ان کے قلب کی گہرائیوں میں تھا، آفتاب سے چمک یا آسمان سے رنگ جدا نہیں کیا جارہا تھا بلکہ ایک دنیوی شے تھی جو دوسرے کے سپرد کی جارہی تھی۔ جس کا جی چاہے وہ بعض شرائط کے ماتحت انتظام کرے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اپنی نزع کی آخری سانسوں میں امام حسنؑ نے حسینؑ کو اپنا وصی اور ولی مقرر کیا۔ اگر خلافت الٰہیہ اور امامت معاویہ کو دے دی تھی، تو یہ کیا چیز حسینؑ کے سپرد کررہے تھے؟ (حسینؑ کو وصی بنایا۔ اسد الغابہ اور حیٰوۃ الحیوان بحوالہ تاریخ احمدی) گویا اپنے کو خلیفہ جانتے تھے اور جاتے جاتے سنت رسول کے مطابق اپنی وصی بھی بنارہے تھے۔
بات میں بات نکل آئی ورنہ بحث یہ تھی کہ حسنؑ کے لئے صلح فائدہ مند تھی یا جنگ۔ ہم نے دیکھا کہ اس وقت صلح ہی سے کام چل سکتا تھا، ضرورت صرف یہ تھی کہ صلح جنگ سے زیادہ کارآمد ثابت ہو۔ صلح سے پہلے امام حسنؑ نے سب کے دل ٹٹولے۔ کبھی یہ فرمایا کہ جس سے میں جنگ کروں اس سے جنگ کرو، کبھی یہ کہا کہ جس سے میں صلح کروں اس سے صلح کرو۔ کبھی لوگوں سے صاف صاف پوچھ لیا کہ وہ جنگ چاہتے ہیں یا صلح؟ اور جب ہر جانب سے صلح کے لئے آواز بلند ہوئی تو اب صلح کے سوا چارہ ہی کیا تھا؟ مسلمانوں کا خون یوں ہی نہیں بہایا جاسکتا تھا لوگ زندگی چاہتے تھے اور انھیں زندگی دی گئی۔ اس کے علاوہ ایک راز یہ بھی تھا کہ جو تھوڑے سے مددگار تھے وہ بھی جنگ میں ختم ہوجاتے اور پھر بھی نتیجہ وہی ہوتا بلکہ جنگ میں شکست دینے کے بعد معاویہ امام کو مجبور کرسکتا تھا کہ اس کی بات مانیں۔ پہلے تاریخی حیثیت

سے چند جملوں میں ان واقعات کا ذکر ہونا چاہئے جو کشاں کشاں صلح کی جانب لے گئے تا کہ صلح کے شرائط سمجھنے میں آسانی ہو۔ شیر خدا نے دنیا چھوڑ دی، لوگ امام حسنؑ کی بیعت کوفہ میں کر رہے ہیں۔ قیس بن سعد انصاری آ کر کہتے ہیں ''لائیے، ہاتھ لائیے کہ ہم کتاب اللہ وسنت رسالت کی پیروی اور خلل اندازان خلافت سے لڑنے کا اقرار کرلیں۔'' امام نے فرمایا کہ کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں، کتاب خدا اور سنت رسول کی پیروی میں سب کچھ آ گیا۔ معاویہ کے بڑھتے ہوئے ارادوں کی خبر مل چکی تھی۔ حضرت علیؑ کی جمع کی ہوئی فوج لے کر مدائن کا رخ کیا۔ معاویہ پہلے ہی سے چل کھڑے ہوئے تھے۔ قیس بن سعد انصاری مقدمۃ الجیش کے سردار بنائے گئے۔ معاویہ نے خبر اُڑا دی کہ قیس مارے گئے یا بقول تاریخ ابن واضح قیس نے معاویہ سے صلح کر لی اور دوسری طرف امام حسنؑ کے متعلق قیس کی فوج میں یہ خبر پھیلا دی گئی کہ امام نے معاویہ سے صلح کر لی۔ بہر حال نتیجہ ایک ہی تھا۔ امام کے ساتھ کی فوج میں اضطراب پھیل گیا، فوج گھٹنے لگی یہاں تک کہ بقول تاریخ الخمیس امام حسنؑ نے صلح ہی کو مصلحت سمجھا۔ خط و کتابت ہوئی اور صلح ہوگئی۔ بس اب ہمیں امام حسنؑ کا تدبر ان ہی صلح کی شرطوں میں دیکھنا ہے کیونکہ جنگ کے تمام امکانات امام حسنؑ کی طرف سے ختم ہو چکے تھے۔ ان کے پاس جنگ سے فائدہ اٹھانے کی کوئی صورت نہ تھی۔

شرائط صلح امام حسنؑ کی جانب سے پیش ہوئے تھے اور امام کو تمام باتوں کا اندازہ لگا کر معاہدہ کرنا تھا کیونکہ اسی کی منظوری پر ماضی کے تذکروں اور مستقبل کی امیدوں کا دارومدار تھا۔ یہی سب سے بہتر موقع تھا کہ معاہدے کی شرطیں ایسی جامع رکھی جائیں جو انتہائی سیاست دانی اور فکر عمیق کا پتہ دیں دیکھنا یہ ہے کہ امام نے یہی شرطیں کیوں رکھیں ان کا حقیقی مقصد اور فلسفہ کیا تھا۔ یہیں پہنچ کر حسنی سیاست کا صحیح اندازہ ہوگا، یہیں معلوم ہوگا کہ صلح کس طرح جنگ سے بہتر ہوسکتی ہے اور کس طرح اس صلح میں امام حسنؑ اپنے مقاصد کی تکمیل بدرجہ اتم کر سکے۔ جنگ معاویہ کو اور زیادہ برافروختہ کر دیتی۔ جنگ امام کی دنیاوی قوتوں کو اور گھٹا دیتی۔ جنگ امام حسنؑ کو معاویہ کی تمام باتیں ماننے پر مجبور کر دیتی اور پھر امام کی جانب سے نہیں بلکہ معاویہ کی جانب سے صلح کی شرطیں پیش ہوتیں۔ یہ کبھی نہ بھولنا چاہیے کہ جو صلح کی شرطیں پیش کر کے منوا سکے وہی فاتح ہے۔

مختلف کتب تواریخ کا مقابلہ کرنے کے بعد مندرجہ ذیل معاہدہ کا پتہ چلتا ہے اختصار کے لئے ہم صرف شرطیں پیش کرتے ہیں۔ امام حسنؑ نے حسب ذیل شرائط پر معاویہ کو زمام سلطنت دینا گوارا کیا۔

(۱) معاویہ کتاب اللہ اور سنت رسولؐ پر عمل کرے گا۔

(۲) کوفہ کے بیت المال کی تمام نقد رقم امام حسنؑ کو دی جائے گی۔

(۳) ملک فارس کے صوبہ داراب گرد کی سالانہ آمدنی امام حسنؑ کو ملا کرے گی۔

(۴) حضرت علیؑ کی شان میں گستاخانہ الفاظ نہ

استعمال کئے جائیں اور سب وشتم بند کردی جائے (اس شرط میں یہ ترمیم ہوئی کہ معاویہ نے اس کا وعدہ نہیں کیا، یہ البتہ طے ہوا کہ امام حسنؑ یا ان کے اہل بیتؑ کے سامنے کوئی علیؑ کو برے الفاظ سے یاد نہ کرے گا)

(۵) معاویہ کو اپنا ولی عہد بنانے کا اختیار نہ ہوگا۔ بلکہ کارخلافت پھر بنی ہاشم میں پلٹ آئے گا۔

(حبیب السیر وسیوطی بحوالہ تاریخ احمدی، تاریخ اسلام شرر)

(۶) اہل مدینہ وعراق وحجاز نے حضرت علیؑ کے زمانہ میں جو کچھ کیا اس کا کوئی مواخذہ ان سے نہ ہو۔

(۷) امام حسنؑ پر جو کچھ قرض ہو معاویہ ادا کرے۔

(۸) امام حسنؑ، امام حسینؑ یا ان کے اہل بیتؑ کی جان و مال کے خلاف کوئی خفیہ یا ظاہر سازش معاویہ کی جانب سے نہ ہو۔　(صواعق محرقہ وجلاء العیون)

یہ وہ شرطیں ہیں جن پر صلح ہوئی ان کی اہمیت اور عظمت کا اندازہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب ہم عرب کے لوگوں کی نفسیات کا پوری طرح جائزہ لیں، جب ہم بنی امیہ اور بنی ہاشم کے تعلقات کا گہرا مطالعہ کریں اور جب ہم معاویہ کی اس بے چینی پر نظر ڈالیں جو اسے بادشاہت کے نہ ملنے سے ہو رہی تھی۔ امام حسنؑ نے تیر اس وقت مارا جب وہ نشانہ پر ٹھیک بیٹھ رہا تھا۔ دولت کے نشے اور حکومت کے شوق نے معاویہ کو اتنا حریص بنا دیا تھا کہ وہ حسن مجتبیٰؑ کی اعلیٰ سیاست کو نہ سمجھ سکا اور صرف اپنی خاندانی دشمنی اور ذہنیت کے ماتحت اس دفعہ پر معترض ہوا جو حضرت علیؑ پر سب وشتم بند کرنے سے متعلق تھی۔ معاویہ سے بڑا علیؑ کا کوئی دشمن نہ تھا۔ بنی امیہ کے سربرآوردہ سردار علیؑ کی تیغ کے گھاٹ اتر چکے تھے اور وہ ان سے ہر طرح انتقام لینے پر تیار تھا لہٰذا اس پر اس کی نظر فوراً پڑ گئی اور کسی جگہ وہ نہ سمجھ سکا کہ امام حسنؑ کی کیا مصلحت ہے، ہر دفعہ کی ضرورت کے متعلق کسی قدر تفصیل درکار ہے، اسی میں امام حسنؑ کا فلسفۂ سیاست واضح ہوگا۔

پہلی دفعہ بہت اہم ہے لیکن اس کے متعلق کچھ زیادہ نہیں کہنا ہے کیونکہ اسی پر صلح کا دارومدار تھا اور اگر معاویہ اس پر رضامند نہ ہوتا تو صلح بھی ناممکن تھی۔ یقیناً کربلا کا نقشہ بیس سال پہلے ہی مدائن میں پیش ہوجاتا کیونکہ اس کے بغیر امام کا مقصد ہی مٹ جاتا۔ امام نے اس شرط کا ظاہر کردینا ہی ضروری سمجھا کیونکہ معاویہ سے زیادہ وہ یزید کے حالات سے باخبر تھے اور جانتے تھے کہ جب اس شرط کی خلاف ورزی ہوگئی تو تمام دنیا اسے دیکھ کر اختلاف پر آمادہ ہوجائے گی۔ کتاب اللہ کے ساتھ سنت رسولؐ کے غیر مبہم الفاظ کی اہمیت کو ارباب نظر ہی کچھ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔

دوسری دفعہ ایک بہترین سیاسی نکتہ پر مبنی ہے۔ بیت المال کی ساری رقم لے کر معاویہ کو کمزور بنادینا مقصود تھا اور یہ بھی خیال تھا کہ وہ اسلام کی دولت کو عیش وطرب میں ضائع وبرباد نہ کردے۔ حسنؑ کے یہاں وہی روپیہ غریبوں اور مسافروں کی مہمان نوازی میں صرف ہوتا تھا جو امام حسنؑ کا خاص شیوہ تھا۔

تیسری شرط اول تو یوں ضروری تھی کہ اس میں اپنا فائدہ متصور تھا لیکن اس سے زیادہ اہم یہ تھا کہ ایران کے

لوگ علیؑ اور ان کے خاندان کے لوگوں سے بے خبر نہ ہوں بلکہ ان کے کانوں میں خانوادۂ نبوت کے سرداروں کے نام پڑتے رہیں اس کا فائدہ اس وقت تو نہیں لیکن ہاں تھوڑے ہی دنوں کے بعد ظاہر ہو گیا اور آج تک ظاہر ہے۔

چوتھی دفعہ نہایت ضروری اور اہم چیز ہے۔ امام حسنؑ ان گستاخانہ کلمات کو سن نہ سکتے تھے جو حضرت علیؑ کے متعلق استعمال کئے جاتے تھے۔ ہاشمی غیرت کا یہی تقاضا تھا کہ معاویہ کو اس پر مجبور کیا جائے معاویہ کا اس پر معترض ہونا اوپر بیان ہو چکا ہے اور اس کے اسباب بھی ہمارے پیش نظر ہیں۔

پانچویں دفعہ کے متعلق بہت کچھ کہا جا سکتا ہے اور یہی ایک جملہ ایک مضمون کے لئے کافی ہو سکتا ہے لیکن یہاں اختصار کے خیال سے صرف یہ کہا جاتا ہے کہ اس دفعہ سے سب سے پہلی بات یہ ظاہر ہوتی ہے کہ امام حسنؑ نے وقتی طور پر صلح کی تھی۔ اس وقت صلح کی ضرورت تھی اس لئے صلح کی۔ اگر یہ صلح وقتی نہ ہوتی تو پھر کار خلافت کے پلٹا دینے کا معاہدہ کیا معنی رکھتا ہے؟ اس کا ثبوت دوسری طرف سے بھی ملتا ہے معاویہ خود اس صلح کو وقتی جانتا تھا کچھ دنوں تک خاموش رہنے کے بعد معاویہ کے دل میں ہیجان پیدا ہوا اور اس نے امام حسنؑ کو زہر دلا کر راستہ سے ہٹانے کی کوشش کی۔ صلح ہو چکی تھی حکومت کی باگ ڈور معاویہ کے ہاتھوں میں تھی۔ پھر اب کیا خوف تھا جو معاویہ کو پریشان کر رہا تھا، پھر اب کیا ضرورت تھی کہ امام حسنؑ کو خفیہ کارروائیوں کا شکار بنایا جائے؟ امام حسنؑ کی جانب سے کبھی اپنے معاہدے کی خلاف ورزی کا اقدام نہیں ہوا لیکن پھر بھی معاویہ ان کے وجود ذی جود کو اپنے لئے باعث مضرت سمجھتا تھا۔ اس کے بعد اپنی حیات ہی میں امام حسینؑ سے یزید کے لئے بیعت لینے کی کوشش بھی اسی خوف کا نتیجہ ہے جو اس صلح کی مدت کے ختم ہونے کے خیال سے اس کے دل میں پیدا ہوا تھا۔

اب جس دفعہ کا میں تذکرہ کرنے والا ہوں اسے حکمت عملی کا اعلیٰ نمونہ قرار دے سکتے ہیں اس میں اگرچہ بہ ظاہر ایک گذری ہوئی بات کی جانب اشارہ ہے کہ علیؑ کے ہمدردوں سے مواخذہ نہ کیا جائے لیکن اس کا اثر مستقبل کی پوری تاریخ پر پڑ رہا ہے۔ اللہ رے حسنؑ کی دور اندیشی! معلوم تھا کہ معاویہ کو موجودہ سلطنت سے کام ہے، وہ اتنی باریک بات کو نہ سمجھ سکے گا، اس لئے شرط نامہ میں رکھ دیا۔ اس کی ضرورت یوں تھی کہ وہ لوگ جو کسی موقع پر علیؑ کا ساتھ دے چکے تھے، اب ان کے سب سے بڑے دشمن کی رعایا بن رہے تھے۔ ان پر ظلم و ستم ہوتا اور صرف اس گناہ پر کہ تم نے کسی وقت میں علیؑ سے محبت کا اظہار کیا تھا، لیکن حسنؑ نے ان کی خدمتوں کو نظر انداز نہیں کیا۔ مطلب یہ تھا کہ علیؑ اور آل علیؑ کے ساتھ ان کی ہمدردی باقی رہے ورنہ وہ لوگ یہ کہتے کہ دیکھو ہمیں کیسا بھلا دیا۔ اس کا اثر اتنا مکمل تھا کہ ہر تاریخ سے واقف شخص سمجھ سکتا ہے ان لوگوں کے اس یقین میں فرق نہ آیا کہ ہم حق پر تھے۔ اگرچہ معاویہ نے اس پر عمل نہ کیا تو بھی یہ کیا کم ہے کہ ان کو یہ تو خیال رہا کہ علیؑ کے بیٹے حسنؑ نے حتی الوسع ان کے لئے سب کچھ کیا۔

ساتویں دفعہ بھی تیسری شرط کی طرح یہ ظاہر کرنے

کے لئے ہے کہ امام حسنؑ نے دب کر صلح نہیں کی بلکہ مصلحتاً کر لی اور درحقیقت معاویہ ہی صلح کے لئے بے چین تھا کہ اس طرح کے شرائط پر رضامند ہو گیا۔

آٹھویں شرط ایک تاریخی اہمیت رکھتی ہے۔ اگر معاویہ اس کی خلاف ورزی کرے تو دنیا اسے برا سمجھے گی اور اگر اس پر عمل کرے تو اموی حکومت کی بنیاد ہی مضبوط نہیں ہو سکتی۔ گویا امامؑ نے معاویہ کو ایک ایسے قفس میں بند کر دیا تھا جس کا دروازہ کھلا ہوا ہو لیکن دروازے پر کانٹے ہوں۔ معاویہ ہر طرح سے ایک کشمکش میں تھا اور نتیجہ ہمیں معلوم ہے کہ اس نے امام حسنؑ کی جان کے خلاف سازش کر کے ہمیشہ کے لئے تاریخ کو اپنی معاہدہ شکنی پر گواہ بنا لیا۔ امام کا اپنی اور اپنے اہل بیتؑ کی سلامتی کے لئے حکومت سے وعدہ لے لینا اعلیٰ تدبر پر مبنی تھا۔

معاہدہ کی یہ مختصر تشریح ارباب نظر پر یہ اچھی طرح واضح کر دے گی کہ یہ صلح ایک بیش بہا سیاسی معاہدہ کہی جا سکتی ہے جس میں امام حسنؑ نے معاویہ کو دینی اور دنیوی حیثیت سے عدل وانصاف پر مجبور بنا دیا تھا۔ اپنی جامعیت اور وسعت کے لحاظ سے تمام شرطیں اہم ہیں اور ان سے امام حسنؑ کے دقت نظر اور عالمانہ ذہنیت کا پتہ چلتا ہے یہ اور بات ہے کہ معاویہ نے ان شرطوں پر کبھی عمل نہیں کیا لیکن حسنؑ کی جانب سے وہی شرطیں پیش ہوئی تھیں جو حسنؑ کے مقصد کو پورا کرتی تھی اور اموی پالیسی کا راز طشت ازبام کرنے کے ساتھ ہی ساتھ بنی امیہ کی حکومت کے قیام ہی کو ناممکن بنائے ہوئے تھیں۔ صلح کے وقت معاویہ ان کے تبدیل کرنے پر قادر نہ تھا لیکن عمل کی اسے پرواہ نہ تھی۔ اسے کیا کہ آج تاریخ اس کی خلاف ورزیوں کا افسانہ ہنس ہنس کر بیان کر رہی ہے! اسے کیا کہ دنیا اسے حسنؑ ایسے گوشہ نشین کا قاتل جانتی ہے! اسے کیا کہ کربلا کے واقعہ کی داغ بیل ڈال کر اس نے اپنا نام ظالموں کی فہرست میں لکھا لیا! اسے کیا کہ اس کے بعض افعال اسے دائرہ اسلام سے خارج کرتے ہیں، اسے ان باتوں کی پروا نہ تھی۔ امام حسنؑ نے کار سلطنت معاویہ کو تفویض کر کے دنیا کو یہ دکھا دیا کہ اسلام کے دائرے میں رہ کر معاویہ حکومت کی قابلیت نہیں رکھتا۔ جہاں تک خدمت اسلام اور ہدایت خلق کا تعلق تھا، حسنؑ اس کی جانب اب اور متوجہ ہو گئے۔ ایک طرف رسولؐ اور اہل بیتؑ رسولؐ کے خلاف مسجدوں میں وعظ کہے جاتے تھے تو دوسری جانب حسنؑ کے دربار میں رسالت کا پیغام اپنے حقیقی رنگ میں دنیا کے کانوں تک پہنچایا جاتا تھا۔ ایک جانب جھوٹی حدیثیں بنا کر علیؑ کی فضیلتوں پر پردہ ڈالا جاتا تھا تو دوسری طرف رسولؐ کے گھر میں ایک ایسا گروہ تیار ہو رہا تھا جو اموی سیاست کے تار و پود بکھیر کر رکھ دے۔ وہاں زہر اور تلوار، درہم ودینار سے لوگ قابو میں لائے جاتے تھے۔ یہاں الفاظ میں وہ تاثیر تھی کہ اسلام سے سچی محبت رکھنے والے پروانوں کی طرح ادھر ہی گرتے تھے۔ یہ تھی حسنؑ کی صلح اور اس کے نتائج جنھوں نے معاویہ کو تاریخ عالم کا ایک بدنام شخص بنا دیا کیونکہ وہ معاہدے کی شرطوں پر عمل نہ کر سکا۔

☆☆☆